© rasailojaraid.com

کتاب نُما

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: حافظ محمد زبیر

(۱)

نام کتاب : مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ: حیات وخدمات
مؤلفین : ڈاکٹر صہیب حسن، ڈاکٹر سہیل حسن
ناشر: محمد سرور عاصم اشاعت: دسمبر ۲۰۱۰ء صفحات: ۵۹۷، قیمت: درج نہیں
ملنے کا پتہ: مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، فون: 042-37244973

مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کا شمار عصر حاضر کے نامور اور معروف علمائے محدثین میں ہوتا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب بعنوان ''مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ: حیات وخدمات'' ان کے حالاتِ زندگی، تذکرۂ ایام اور سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک عالم دین اور مردِ مجاہد کی آپ بیتی ہی نہیں بلکہ ایک عالم کی تاریخ ہے۔ یہ کتاب پیش لفظ، تین حصوں اور ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔

کتاب کا پہلا حصہ

کتاب کے پہلے حصہ میں مولانا عبدالغفار حسن صاحبؒ کے خاندان، ابتدائی تعلیم وتربیت، جماعتِ اسلامی سے وابستگی کے سولہ سال، مدینہ یونیورسٹی میں بطور مدرس ۱۶ سال قیام، اسلامی نظریاتی کونسل کے نو سال اور ان کے غیر ملکی اسفار کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس حصہ میں ان کے نامور مشائخ اور شاگردوں کا بھی تعارف کروایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس حصہ میں نامور علماء، معروف مشائخ اور مذہبی رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ مولانا کی ملاقاتوں، تعلقات اور یادداشتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ نے جماعتِ اسلامی میں تقریباً ۱۶ سال گزارے اور بعد ازاں مولانا مودودی رحمہ اللہ سے کچھ اصولی اختلافات کی وجہ سے جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ مولانا نے جماعت سے اپنی علیحدگی کے تین اسباب کا ذکر کیا ہے:

> ''میں نے اپنے استعفا کے تین اسباب لکھے تھے: ۱۔ انقلابِ قیادت کا نعرہ اور الیکشن کی مہم جماعت کی اصل بنیادی پالیسی کے خلاف ہے بلکہ صریحاً اس سے انحراف ہے۔ مولانا مودودی مرحوم کا مقالہ ''اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟'' اور ''تجدید واحیاءِ دین'' میں ''سید احمد شہید رحمہ اللہ کی ناکامی کے اسباب'' کے عنوان سے جو تحریر درج ہے، دونوں کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۵۱ء سے جماعت نے فکری انقلاب اور اصلاح معاشرہ کے بجائے انقلابِ قیادت یا سیاسی انقلاب کا راستہ اپنایا ہے، نتیجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح ہے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ۔۲۔ترجمان القرآن دسمبر ۵۶ء میں پریکٹیکل وزڈم کے بارے میں جو مقالہ شائع ہوا ہے وہ یکسر قرآن وسُنّت کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک سیاسی دین ہے' یعنی دین' سیاست کے تابع ہے۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہونا چاہیے' یعنی ہمیں 'سیاسی دین' کی بجائے 'دینی سیاست' کی ضرورت ہے' جس میں سیاست دین کے تابع ہو۔۳۔امیر جماعت کی طرف سے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے نام جو نوٹ ارسال کیا گیا تھا وہ اسلامی عدل اور جمہوری تقاضوں کے یکسر خلاف تھا۔'' (ص ۱۶۳۔۱۶۴)

اگرچہ بعض اہلِ حدیث علماء مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ سے یہ شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ جماعت اسلامی کی رکنیت کی وجہ سے اپنا اہلِ حدیث ہونے کا تشخص برقرار نہ رکھ سکے تھے' لیکن مولانا ان اہل حدیث علماء کی اس نقد سے متفق نہیں ہیں۔ ایک جگہ ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

''سوال: کیا آپ جماعت اسلامی میں رہ کر مسلک اہلِ حدیث پر قائم رہے؟
جواب: جماعتِ اسلامی میں میرا اہلِ حدیث تشخص قائم رہا' نعیم صدیقی صاحب سے بعض اوقات بحث ہو جاتی تھی۔ وہ کہتے تھے رفع الیدین چھوڑ دو' کیا حرج ہے۔ میں نے کہا داڑھی کیوں نہیں بڑھاتے' داڑھی کٹا کر خود سنت کی خلاف ورزی کرتے ہو اور ہمیں کہتے ہو رفع الیدین نہ کریں۔ میں نے مولانا مودودی سے ان کے مسلکِ اعتدال کے بارے میں باقاعدہ بحث کی ہے' مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ فقہ کا مسلک' محدثین کے مسلک سے قوی ہے۔ میں نے اس پر بحث کی خط وکتابت کے ذریعے' وہ آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ نعیم صدیقی صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ کارکنان کو مسلک اعتدال کا بھی مطالعہ کرایا جائے۔ میں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ یہاں اہل حدیث بھی ہیں' حنفی بھی ہیں' مسلکِ اعتدال خالص مولانا مودودی کا نظریہ ہے' ہم سب اس کے حامی نہیں ہیں۔ اس لیے مسلکِ اعتدال کی تبلیغ یہاں نہیں ہوسکتی۔ میں نے فروعی مسائل جو حدیث کے خلاف ہیں ان کو بھی نہ مانا' باقاعدہ جماعت کی تربیت گاہوں میں اعلان کرتا رہا کہ ہم مسلک اعتدال کو نہیں مانتے۔ بڑی جھڑپیں ہوئیں' بڑی بحثیں ہوئیں' میں نے بہت کچھ برداشت کیا۔ میں نے جماعت کے مرکز میں رہ کر اہلِ حدیث تشخص کو برقرار رکھا۔'' (ص ۴۴۳)

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے کچھ عرصہ بعد مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے ۱۶ سال مدینہ یونیورسٹی میں تدریس کرتے ہوئے گزارے۔ مدینہ منوّرہ کے قیام کے دوران تقریباً تمام مسالک کے علماء سے ان کی ملاقات رہتی تھی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''میرے مدینہ کے قیام کے دوران جن لوگوں سے تجدید ملاقات ہوئی ان میں شامل ہیں: مولانا عبداللہ بہاولپوری' مولانا عطاء اللہ حنیف' شیخ عبداللہ کشمیری' ارشادالحق حقانی' احسان الٰہی ظہیر' عبدالاحد ملتستانی اور علماء سعودیہ میں سے شیخ محمد بن سبیل' شیخ حمید' شیخ عبدالعزیز بن صالح' شام کے محمد المبارک اور مصطفیٰ الزرقاء سے ملاقات رہی۔ جو حضرات میری دعوت پر گھر تشریف لائے ان میں چند ایک نام یہ ہیں: مفتی محمد شفیع' تقی عثمانی' شہابیہ سیالکوٹ کے محمد علی' مولانا غلام اللہ' مولانا محمد یوسف بنوری' مولانا عبید اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبارکپوری‘ مولانا مختار احمد ندوی‘ مفتی محمود‘ حکیم عبدالرحیم اشرف‘ ڈاکٹر اسرار احمد‘ چچا عبدالوکیل خطیب‘ مولانا ابوالحسن ندوی‘ مولانا منظور نعمانی‘ مولانا سمیع الحق۔‘‘ (ص۱۹۳۔۱۹۴)

مدینہ کے قیام کے دوران انہوں نے مشقت اور تکالیف میں انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ قیام کے دوران کوئی تیرہ کے قریب کرائے کے مکان بدلے ہوں گے:

’’میں نے سولہ سال میں کوئی تیرہ مکان بدلے ہوں گے‘ سوائے ایک مالک مکان کے سب کے ہاں وعدہ خلافی پائی اور یہ مالک مکان بخاری تھے‘ اوپر نیچے کا مکان تھا‘ غالباً گارے کی دیواریں تھیں۔ فرش میں اکثر بچھو دیکھے‘ یہاں تک کہ مکان میں بلی کے بچے تھے جنہیں ان بچھوؤں نے کاٹ ڈالا۔ ایک دفعہ تعطیل گزار کر آئے تو دیکھا کہ سب کتابوں کو دیمک لگ چکی ہے۔ میزان الاعتدال اور نصب الرایہ دونوں کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا ’’پوتے کی میراث‘‘ کے موضوع پر ایک قلمی نسخہ تھا۔ شیخ عبدالکریم مراد نے مانگا بھی لیکن میں نے نہیں دیا۔ وہ ’معارف‘ میں چھپنے کے لیے بھیجا لیکن انہوں نے شائع نہیں کیا اور یہاں وہ دیمک کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اس مکان کو قبل از وقت خالی کر دیا تو مالک مکان نے باقی مدت کا کرایہ واپس کر دیا۔‘‘ (ص۱۹۴)

ان کے مدینہ یونیورسٹی کے شاگردوں میں سے علامہ احسان الٰہی ظہیر‘ شیخ ضیاء الرحمٰن اعظمی‘ شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق‘ شیخ ربیع ہادی المدخلی‘ شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی‘ مولانا حسن جان‘ مولانا عبدالرزاق اسکندر‘ ڈاکٹر سہیل حسن‘ حافظ عبدالسلام کیلانی‘ حافظ ثناء اللہ عیسیٰ خان‘ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی‘ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار فریوائی‘ حافظ مسعود عالم‘ مولانا عبدالرحمٰن مدنی وغیرہ نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ عاصم الحداد‘ حافظ عبدالوحید سلفی‘ مولانا محمد بشیر سیالکوٹی‘ مولانا عبدالعزیز علوی‘ مولانا عبداللہ عفیف اور مولانا محمود احمد غضنفر وغیرہ کا شمار بھی ان کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔

جماعتِ اسلامی اور مدینہ یونیورسٹی کے علاوہ جماعت اہلِ حدیث اور علمائے اہل حدیث کے ساتھ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کے تعلقات کی بھی ایک پوری تاریخ اس کتاب میں موجود ہے۔ مولانا اگرچہ صحیح معنوں میں منہج اہلِ حدیث پر قائم تھے‘ یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں فقہا کے اقوال میں سے اقرب الکتاب والسنة کو اختیار کرتے تھے‘ لیکن وہ اہل حدیث کی انتخابی سیاست میں شمولیت اور مسلکی مسائل میں غلو کو ناپسند جانتے تھے‘ جس کی وجہ سے بعض اہل حدیث علماء ان سے ناراض تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

’’ایک دن [جسٹس] تنزیل الرحمٰن نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ آپ کے خلاف بہت سی شکایات آرہی ہیں‘ خاص طور پر اہل حدیث حلقوں سے کہ یہ تو اہل حدیث نہیں ہے‘ اسے اہل حدیث سیٹ پر کیوں نامزد کیا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ انہی سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے؟ ایک دن اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ سیاسی اور مذہبی تنظیمیں قائم کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں‘ میں نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ ہر دو قسم کی تنظیمیں شرعاً ناجائز ہیں‘ چونکہ اس سے اُمت میں افتراق پیدا ہوتا ہے بلکہ ہو رہا ہے۔ جب میں نے یہ وضاحت کی تو جسٹس صاحب بولے کہ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے؟ میرا اپنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریق کار یہ رہا ہے کہ ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث کی روشنی میں غور کرتا ہوں خواہ میری تحقیق کسی مسلک کے خلاف پڑے یا موافق۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ میری رائے سلفی مسلک کے خلاف ہو جاتی ہے اور کبھی حنفیہ کے خلاف۔" (ص ۲۰۱۔۲۰۲)

ایک جگہ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کی پوتی ڈاکٹر رملہ حسن اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں دادا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور دادا ابا کسی کی بھیجی ہوئی کتاب "حقیقت تقلید" دیکھ رہے تھے۔ اس کتاب کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے دادا ابا نے اس کا عنوان دیکھتے ہی فوراً کہا کہ جو لوگ مغربی تہذیب کی اندھا دھند تقلید کر رہے ہیں اس پر کوئی نہیں لکھتا' یہ لوگ کم از کم دین کی ہی تقلید کر رہے ہیں۔" (ص ۳۹۹)

مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ منہج اہل حدیث پر اس قدر سختی سے قائم تھے کہ وہ غیر مقلد اور اہلِ حدیث میں بھی فرق کرتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"غیر مقلد عام ہے یعنی غیر مقلد تو ہر وہ شخص ہو جاتا ہے جو تقلید ترک کر دے مگر اہل حدیث اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ محدثین کے مکتبِ فکر کو اپنا لے اور عقیدہ وعمل سے لے کر قوانین وضوابط تک ہر چیز کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھے۔ اسی لیے مولانا امین احسن اصلاحی' کسی حد تک مولانا مودودی' ڈاکٹر اسرار احمد' مولانا حنیف ندوی وغیرہ یہ لوگ غیر مقلد تو ہیں مگر اہل حدیث نہیں۔" (ص ۵۹۰)

جماعتِ اسلامی سے علیحدگی کے بعد مولانا عبدالغفار حسن اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمہما اللہ کے مابین کافی عرصہ خوشگوار تعلقات قائم رہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ سے جب مولانا کے حوالے سے کسی قابل ذکر واقعہ کو بیان کرنے کا سوال ہوا' تو انہوں نے یہ واقعہ بیان فرمایا:

"مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک دن میں نے مولانا کو فیض کی یہ نظم سنائی کہ جس میں وہ کہتا ہے: مرنے چلے تو سطوتِ قاتل کا خوف کیا' اتنا تو ہو کہ باندھنے پائے نہ دست وپا۔ اس نظم کو مولانا نے بہت پسند کیا اور دوبارہ پڑھوا کر باقاعدہ ٹیپ پر ریکارڈ کرالیا۔" (ص ۵۳۵۔۵۳۶)

مولانا اپنی یادداشتوں میں بعض معاملات میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی کھل کر تعریف کرتے ہیں جبکہ بعض اوقات ان سے کسی شکوہ کا بھی اظہار فرما دیتے ہیں۔ ایک جگہ مولانا فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کی اس خوبی کو میں سراہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس وقت ان کے داماد (بھائی اقتدار احمد کے فرزند) کا عین جوانی کے عالم میں ایک حادثے میں انتقال ہوا تو تدفین کے موقع پر برسرِ عام اعلان کیا کہ ان کے لیے کوئی قرآن خوانی کی رسم نہیں کی جائے گی۔" (ص ۱۸۰)

مولانا کے بقول وہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی خواہش پر ساہیوال منتقل ہوئے تھے تاکہ ان کے قرآن ہاسٹل میں تدریس کے فرائض سرانجام دے سکیں۔

کتاب کا دوسرا حصہ

کتاب کے دوسرے حصے میں مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کے بیٹوں' بہوؤں' پوتوں اور پوتیوں میں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خبیب حسن، سہیل حسن، راغب حسن، احمد حسن، حامد حسن، نمیر حسن، حافظ نصیر حسن، عزیر حسن، اسید حسن، اُمّ عمیر، امّ یاسر، رملہ حسن اور رفیدہ حسن نے ان کی گھریلو اور نجی زندگی کے بارے میں کافی معلومات جمع کی ہیں اور ان کے زہد، تقویٰ، حسنِ سلوک اور اخلاقِ حسنہ پر عمدہ طریقے سے روشنی ڈالی ہے۔ مولانا کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منکرات کو کسی صورت برداشت نہیں کرتے تھے اور فوراً اپنے ردِعمل کا اظہار کر دیتے تھے۔

مولانا کے بیٹے خبیب حسن احتشام رقم طراز ہیں:

''منکرات پر غم وغصہ کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے کہ کراچی میں اپنے کسی عزیز کے جنازے میں تشریف لے گئے، میں ساتھ تھا۔ قبرستان پہنچے تو میت دفنائی جا رہی تھی اور کچھ لوگ ایک طرف بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ انہیں سخت الفاظ میں ڈانٹا کہ یہ جگہ اپنی موت کو یاد کرنے کا مقام ہے، خوش گپیوں کا نہیں۔ رؤیت ہلال کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے مختلف صوبائی حکومتوں میں جانا ہوتا۔ کراچی میں کمیٹی کا اجلاس حبیب بینک بلڈنگ میں ہوتا اور اجلاس کے بعد بینک کی طرف سے کھانے کا انتظام ہوتا، لیکن والد صاحب بینک کے سودی معاملات کی وجہ سے معذرت کر کے چلے آتے۔'' (ص۳۱۶۔۳۱۷)

مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کا رہن سہن سادہ تھا۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر سہیل حسن ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اپنی ساری زندگی میں سادگی کو اپنائے رکھا، لباس اور دیگر استعمال کی چیزوں میں کسی قسم کی فضول خرچی پسند نہیں کرتے تھے۔ سعودی عرب میں علمائے کرام اپنے لباس پر ایک مخصوص عبا پہنتے تھے جس کے کنارے پر سنہرا گوٹہ لگا ہوا ہوتا تھا، ابا جان کو بھی مشورہ دیا گیا کہ دورانِ تدریس یہ عبا پہنا کریں تو انہوں نے مجھے تاکید کی کہ ایسا عبا تلاش کرو جس کے کناروں پر سنہرا کام نہ ہو۔'' (ص۳۳۴)

مولانا کو ٹیلی ویژن وغیرہ سے شدید نفرت تھی۔ ایک مقام پر ان کے بیٹے راغب حسن لکھتے ہیں:

''ٹیلی ویژن سے بھی سخت نفرت کرتے اور اپنی اولاد کو اس منحوس آلہ کے رکھنے سے منع کرتے۔ اگر آپ کو پتا چلتا کہ آپ کے کسی بیٹے، بیٹی یا دیگر متعلقین کے پاس یہ آلہ موجود ہے تو آپ یہاں تک کہہ دیتے کہ میں اسے عاق کر دوں گا۔'' (ص۳۴۰)

اخبار میں عورتوں کی تصاویر پر مولانا کا ردّعمل، غضِّ بصر کے بارے میں سلف کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ ان کی بھانجی اور بہو اُمّ یاسر لکھتی ہیں:

''ملکی حالات سے باخبر رہتے تھے، اخبار پہلے آپ ہی کے ہاتھوں میں جاتا تھا۔ رنگین صفحہ پر عورتوں کی تصاویر کو مار کر سے کالا کر دیتے تھے۔ اکثر تو وہ صفحات ہی پھاڑ کر پھینک دیتے تھے تاکہ دوسرے لوگوں کی نظریں نہ پڑیں۔'' (۳۹۴)

مولانا کی گھریلو اور نجی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت میں صبر کا پہلو بھی بہت غالب تھا۔ ان کے بیٹے حامد حسن لکھتے ہیں:

''انتہائی صابر اور شکر گزار طبیعت تھی، کبھی کوئی شکایت زبان پر نہ آتی۔ ایک دفعہ غسل خانے میں پھسل کر گر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑے‘ سر پر شدید چوٹ آئی‘ خون بہنے لگا‘ خاموشی سے آ کر بستر پر لیٹ گئے۔ اتفاق سے اسی وقت میں اور اہلیہ ان کے پاس پہنچے‘ وہ عجیب انداز میں لیٹے ہوئے تھے‘ ہم گھبرا گئے‘ دیکھا تو سر سے خون بہہ کر تکیے میں جذب ہو رہا تھا۔ جلدی سے خون صاف کیا‘ بڑے بھائی ڈاکٹر خبیب حسن کو بلایا۔ انہوں نے دوائی لگائی‘ طاقت کا انجکشن دیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ بستر سے اترتے ہوئے پھسل گئے‘ مسہری کی پٹی ان کی ریڑھ کی ہڈی سے ٹکرا گئی جس سے ہڈی میں کریک پڑ گیا۔ کافی دن تکلیف رہی‘ کہتے رہے کچھ زیادہ نہیں ہے‘ ٹھیک ہو جائے گی۔ بالآخر جب ہسپتال لے گئے اور ایکسرے کروایا تو پتا چلا کہ فریکچر ہے۔ یہ تکلیف بھی انہوں نے انتہائی صبر سے برداشت کی جبکہ آپ کی عمر تقریباً ۹۳ برس تھی۔‘‘ (ص ۳۵۵۔۳۵۶)

کتاب کا تیسرا حصّہ

کتاب کے تیسرے حصے میں مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ سے مختلف مواقع پر لیے گئے انٹرویوز شائع کیے گئے ہیں۔ ان انٹرویوز میں بہت ہی قیمتی تاریخی اور علمی معلومات جمع کی گئی ہیں۔ ان انٹرویوز میں مولانا نے متفرق معاصر مسائل میں سے اہم ایشوز پر اپنی معتدل علمی آراء کا اظہار بھی کیا ہے اور کسی رائے پر نقد کی صورت میں اس کا صحیح حل بھی تجویز فرمایا ہے۔

کتاب کے آخر میں ضمیمہ جات کے نام سے بھی ایک باب ترتیب دیا گیا ہے۔ اس باب میں مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کا شجرۂ علمی رسول اللہ ﷺ تک بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا کی خط و کتابت جو انہوں نے جماعت اسلامی کے رہنما میاں طفیل محمد صاحب اور معروف اہلِ حدیث عالمِ دین مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری سے کی ہے‘ اسے بھی شائع کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ میں دو ایسی جامع صفات تھیں جن سے عموماً اہلِ علم طبقہ محروم ہے۔ ان میں سے ایک تو ان کی دین کے حرکی تصور کے ساتھ جذباتی و عملی وابستگی ہے اور دوسرا علمی‘ مذہبی اور مسلکی مسائل میں اعتدال کا پہلو تھامے رکھنا ہے۔ بلاشبہ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کا شمار ان بقیة السلف میں سے ہوتا ہے کہ جن کی رحلت کے بارے میں مقولہ معروف ہے: **موت العالِم موت العالَم**۔

کتاب کا ٹائٹل‘ کمپوزنگ‘ طباعت اور پیپر بھی انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب ہے جس نے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔ تاریخ‘ تحریک‘ تعلیم اور تدریس سے تعلق رکھنے والے حضرات کے پڑھنے کے لائق ہے۔ یہ کتاب محض ایک سرگزشت ہی نہیں بلکہ ایک قوم‘ ایک جماعت‘ ایک تحریک کے عروج و زوال کی داستان ہے جس میں اس زوال کے اسباب اور ان سے نکلنے کی راہیں بھی تجویز کی گئی ہیں۔ کتاب کا اکثر حصہ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کے صاحبزادوں میں سے ڈاکٹر صہیب حسن اور ڈاکٹر سہیل حسن نے مرتب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں صاحبزادوں کو جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے اس کتاب کو مرتب کر کے قوم کے ایک قیمتی سرمایہ کو محفوظ کیا ہے۔

© rasailojaraid.com